جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

طبع اول

شعبان ۱۴۳۵ھ - جون ۲۰۱۴ء

نام کتاب : مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اور تصوف وسلوک

مؤلف : مولانا شمس الحق ندوی

صفحات : ۷۲

تعداد : ۲۰۰۰

طباعت : آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد لکھنؤ

قیمت : ۳۵/روپے

ناشر : نیاز احمد اعظمی، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

ملنے کے پتے:

☆ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

☆ مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

☆ مکتبہ شباب، شباب مارکیٹ، مدوہ روڈ، لکھنو

فہرست عناوین

نمبر شمار	مضامین	صفحات
۱	مقدمہ (از: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی)	۵
۲	پیش لفظ (از: مؤلف کتاب)	۸
۳	مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تصوف کا لب لباب اور خلاصہ	۱۲
۴	صوفیائے کرام کا کارنامہ	۱۴
۵	تصوف سے بدگمانی کی وجہ	۱۹
۶	حضرتؒ کے تصوف کے مخفی رہنے کا سبب	۱۹
۷	پہلا مدرسہ اور پہلی خانقاہ	۲۰
۸	والدہ ماجدہ کا حال	۲۱

۹	والدہ ماجدہ کی تربیت	۲۲
۱۰	بے نفسی واخفائے حال	۳۱
۱۱	سحر خیزی وذکر ومراقبہ	۳۴
۱۲	ابتلاء وآزمائش	۳۷
۱۳	تصوف تعطل اور زندگی سے فرار نہیں سکھاتا	۳۹
۱۴	مولانا احمد علی لاہوریؒ کی نظر میں قدر ومنزلت	۴۹
۱۵	حضرت شاہ وصی اللہ فتحپوریؒ کی محبت کی مثال	۴۹
۱۶	مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کا ارشاد	۵۰
۱۷	مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا ارشاد	۵۰
۱۸	حضرتؒ کے وسعت فکر وسلوک کا سراپا حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کی زبان سے	۵۱
۱۹	سلوک کی اصل روح	۵۶
۲۰	بیعت لینے کا طریقہ	۵۷
۲۱	حضرت مولاناؒ کی خاص نصیحت بلکہ وصیت	۵۹
۲۲	تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام	۶۱

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمد للّٰہ رب العالمین،والصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین خاتم النبیین سیدنا محمد ، وعلیٰ آلہ وصحبہ الغرالمیامین، ومن تبعھم إلی یوم الدین، ودعابدعوتھم أجمعین ،أمابعد:

عزیز گرامی مولوی شمس الحق ندوی دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کرنے کے زمانے میں اور پھر تدریس کے زمانے میں دینی زندگی سنوارنے کا مزاج رکھتے رہے ہیں، اور ربانیت اور تصوف کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اہل تصوف سے قرب بھی ان کو حاصل رہا، اور انہوں نے تصوف کی خصوصیت و اہمیت کو ان کے ملفوظات اور طریقۂ کار کو دیکھ کر بھی سمجھا، انہوں نے حضرت

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی دینی فکر کو صرف سمجھا ہی نہیں، بلکہ ان کے سایہ میں تربیت پائی تھی، حضرت مولاناؒ کا تصوف کے سلسلہ میں نقطۂ نظر جامعیت کا تھا کہ زندگی کو ایک دوسرے سے مربوط بھی ہونا چاہیے اور جو تصوف کا مقصد ہے، اس مقصد کے حصول کے لیے طریقۂ کار سنت کے زیادہ سے زیادہ مطابق ہونا چاہیے، حضرت مولاناؒ کو جن مشائخ تصوف کی صحبتوں میں رہنا ہوا، وہ صحیح تصوف کے آفتاب و ماہتاب تھے، وہاں سے انہوں نے بہت کچھ سیکھا، وہ تصوف کو اسلامی زندگی میں ایک الگ سے اضافہ کی شکل نہیں سمجھتے تھے بلکہ اسلام اور تصوف کو ایک ہی چیز سمجھتے تھے، اور یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب تصوف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے دائرہ سے باہر نہ ہو کہ وہ مستقل ایک مذہبی چیز بن جائے۔

مسلمانوں کی زندگی میں جب دنیا اور معاش کی محبت کا ماحول اتنا وسیع ہوگیا تھا کہ آخرت کا تصور اور اس کا خوف دنیاوی فکر کے نیچے دبا جارہا تھا، دینی مزاج کو ابھارنے اور اس کو صحیح مقام پر لانے کے لیے ربانیت وللّٰہیت کو پیدا کرنے کے وہ طریقے اختیار کیے گئے، جن سے صحابہ کرامؓ کے ایمان وتقویٰ کے مطابق حال بن جائے، یہ مقصود تھا، اس کے لیے طریقہ اپنے اپنے تجربہ اور انداز سے اختیار کیا تھا، بعد کے عہد میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے، جو تصوف کے دعوے دار تھے، لیکن اس کی ربانی خصوصیت اور سنّت کی مطابقت کی طرف

توجہ نہ ہونے کی وجہ سے تصوف کو ایک مستقل مذہب کی شکل دے دی، اس سے تصوف بدنام بھی ہوا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا تعلق شروع سے جس تصوف اور جن اہل تصوف سے ہوا، وہ سنت کے مقام بلند پر فائز اور اس کے امام تھے، اور اس کے لیے ایک اچھی مثال تھے، ان کی تربیت اور صحبت سے تصوف کا صحیح مقصد اور فائدہ اور طریقہ حاصل ہوتا تھا، مولاناؒ کو ان میں سے کئی حضرات کی طرف سے اجازت حاصل تھی، اور مولاناؒ اسی کے مطابق نقطۂ نظر اور عمل رکھتے تھے، مولاناؒ کا تصوف کیا تھا؟ اس کو عزیز گرامی مولوی شمس الحق صاحب ندوی نے جو دیکھا اور سمجھا اس کو اپنے چند مضامین میں پیش کیا ہے، اس سے حضرت مولاناؒ کے اس پہلو پر روشنی پڑتی ہے، یہ مضامین اس کتابچہ میں جمع کر کے لائق اشاعت کر دیے گئے ہیں، امید ہے کہ یہ مفید ثابت ہوں گے۔

محمد رابع حسنی ندوی
ندوۃ العلماء، لکھنؤ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للّٰہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی سیدالمرسلین و إمام المتقین محمدبن عبد اللّٰہ الأمین الذی أرسله اللّٰہ رحمةً للعالمین ، أمابعد:

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا: ''وہ موہوب من اللہ ہیں''، ایک سوال کے جواب میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے حضرتؒ کے متعلق فرمایا تھا کہ: ''وہ بڑے عالم ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کو اپنے فضل سے علم وادب، تصنیف و تالیف،

وسعت فکر ونظر، قومی وملی درد، دینی غیرت وحمیت اور پورے عالم انسانیت کے لیے تڑپ و بے کلی کا جو مقام بلند عطا فرمایا تھا، وہ اظہر من الشمس ہے اور لکھنے والوں نے عقیدت ومحبت میں ڈوب کر حضرتؒ کے خداداد فضل وکمال کے ہر پہلو پر لکھا ہے اور برابر لکھا جا رہا ہے، ڈاکٹریٹ کیا جا رہا ہے، تحقیق وریسرچ کے ادارے قائم ہو رہے ہیں لیکن حضرتؒ کو اللہ تعالیٰ نے اخلاص وروحانیت اور فنائیت کا جو اونچا رتبہ عطا فرمایا تھا جس کو کئی صدیوں سے خاص اصطلاح میں ''تصوف'' کا نام دیا جاتا ہے، اس کو حضرتؒ کی سادگی، اخفاء حال اور انا کی فنا نے اتنا چھپا دیا تھا کہ اہل قلوب کے علاوہ دوسرے لوگوں نے جو تصوف کی خاص وضع قطع ہی کو سند مشیخیت سمجھتے ہیں، انہوں نے حضرت کے اس اصلی جوہر کو نہیں سمجھا اور نہ حضرت کو قابل التفات جانا۔

راقم سطور جس کو ۱۹۵۴ء سے جو نوعمری کا زمانہ تھا، حضرتؒ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل رہا، خیال ہوا کہ حضرتؒ کے اس جوہر اصلی پر کچھ لکھنے کی سعادت حاصل کرے جو حضرت کے دیگر سارے کمالات وفضائل کا سرچشمہ ہے۔

توفیق ایزدی نے رہنمائی کی، مضمون لکھا اور ''تعمیر حیات'' میں کئی قسطوں میں شائع ہوا اور پسند کیا گیا، خیال آیا کہ اس شرف وسعادت کو کتابچہ کی شکل میں کیوں نہ لایا جائے کہ اس سے بہت سے بندگان خدا کو نہ صرف یہ کہ

حضرتؒ کے مرتبہ سے واقفیت ہوگی بلکہ اس ضمن میں جو حقائق اور اس راہ کے پیشواؤں کے ذریعہ دین کی جو حفاظت ہوئی اور دنیا کے جھمیلوں سے تھکے ہارے قافلوں کو جو جائے پناہ ملی ہے، وہ سامنے آجائے کہ آج کے پرفتن دور میں بھی دنیا کے جھمیلوں سے پریشان و مایوس لوگوں کو ان پناہ گاہوں کی طرف آنے کی راہ دکھائی دے۔

اس پیش لفظ میں ہم صرف مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا شاہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم دارالمصنفین نے جو کچھ فرمایا ہے، اس کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''ایک بار نہیں شاید دو ایک بار اور اشارتاً و کنایتاً نہیں منہ پھوڑ کر پوچھا کہ حضرت شاندار مصطلحات تصوف کا مفہوم کچھ تو ہم نیازمندوں پر کھولیے (تنازل ستہ) کے چہرہ سے نقاب ذرا تو سرکایئے (توجہ باطن) سے قلب کو گرمایئے، کچھ جواب نہ ملا، تجاہل سا کر کے ٹال گئے، ایسا تجاہل جو دانستہ تغافل سے کم نہ تھا''۔

شاہ صاحبؒ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے ایک طویل خط کے جواب میں جس میں حضرت شیخؒ نے حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ سے بیعت ہونے کو فرمایا تھا، لکھا: ''علی میاں بلاشبہ اس کے اہل ہیں، مجھ کو ان سے محبت ہی نہیں بلکہ میرے دل میں ان کی بڑی وقعت ہے، ان کی مثالیں اس

دور میں کم ہی ہوں گی، میں نے تو بارہا ان سے کہا ہے ؎

ترا دیدہ و یوسف را شنیدہ
شنیدہ کے بود مانند دیدہ

لیکن میرے ان کے درمیان ایسے عزیزانہ تعلقات ہیں کہ میں ان سے فائدہ نہ اٹھا سکوں گا، نہ وہ خود اس کے لیے آمادہ ہوں گے، اس لیے میری نگاہ آپ پر پڑی ہے، اور اس رہنمائی کا سہرا بھی انھیں کے سر ہے"۔

اخیر میں بارگاہ ایزدی میں عرض ہے کہ ؎

دل کو نصیب ہو گداز، جاں کو عطا ہو سوز و ساز
ہے یہ دعا بصد نیاز درگہ بے نیاز میں
دل جو ملا سیاہ کار آنکھ عطا ہو اشکبار
دھوئے جو دل کو بار بار خلوت خاص راز میں

آمین یارب العالمین.

مفکر اسلام حضرت
مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ ۔ تصوف وسلوک

تصوف کا لب لباب اور خلاصہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قبل اس کے کہ حضرتؒ کے تزکیہ واحسان پر کچھ لکھا جائے، حضرتؒ ہی کی زبان سے وہ روح تصوف جو حدیث جبرئیل میں بیان کی گئی، اس کو پیش کر دیا جائے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ: ''تصوف کا لب لباب اور خلاصہ یہی ہے کہ جو کچھ ہم صبح سے شام تک کرتے رہتے ہیں بغیر کسی نیت کے بغیر کسی احتساب کے، وہ ہم احتساب اور نیت کے ساتھ کرنے لگیں''۔

حضرتؒ نے اپنی کتاب ''سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ'' میں ''تصوف'' سے متعلق بڑی مختصر و معنی خیز بات لکھی ہے جو حدیث جبرئیل ہی کا عکس ہے، جس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے:

''رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے اس سوال کے جواب میں کہ یہ تصوف کیا بلا ہے؟ اس کی کیا حقیقت ہے؟ حضرت شیخ نے مصافحہ کرتے کرتے جواب دیا، صرف تصحیح نیت اس کے سوا کچھ نہیں جس کی ابتداء "إنما الأعمال بالنیات" سے ہوتی ہے اور انتہا "أن تعبد اللّٰہ کأنك تراہ" ہے، وہ سکتہ میں آ گئے اور کہا کہ اس کو تو میں نے سوچا ہی نہیں "انما الأعمال بالنیات" سارے تصوف کا مبدأ ہے اور "أن تعبد اللّٰہ کأنك تراہ" سارے تصوف کا منتہا ہے، اسی کو نسبت کہتے ہیں، اسی کو یادداشت کہتے ہیں، اسی کو حضوری کہتے ہیں۔

حضوری گر ہمی خواہی از و غافل مشو حافظ

متیٰ ما تلق من تھوی دع الدنیا و أمھلھا

شیخ نے فرمایا: مولوی صاحب سارے پاپڑ اسی کے لیے بیلے جاتے ہیں، ذکر بالجہر بھی اسی کے واسطے ہے، مجاہدہ و مراقبہ بھی اسی کے واسطے ہے اور جس کو اللہ جل شانہ اپنے لطف و کرم سے کسی بھی طرح یہ دولت عطا کر دے، اس کو کہیں کسی کی ضرورت نہیں''۔

(سوانح حضرت شیخ الحدیثؒ: ص/ ۵۶، ۵۷)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اہل ادراک و تصوف اور ان کے ملفوظات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ان حضرات کے یہاں جو باتیں ملتی ہیں وہ صرف

نکتے اور موشگافیاں نہیں ہیں، وہ ذہانت کا نتیجہ ہیں، درحقیقت ذہانت کے چار درجے ہیں اور جو ذہانت کا آخری درجہ ہے وہ روح کی ذہانت ہے، یہ روح کی ذہانت ایسی لطیف ہے کہ اس کا بیان الفاظ میں مشکل ہے، جہاں دماغ کے ذہانت کی سرحدیں ختم ہوجاتی ہیں (اوراس کے پہلے زبان کی ذہانت کا درجہ ہے) اور جہاں قلب کی ذہانت کی سرحدیں ختم ہوجاتی ہیں وہاں سے روح کی ذہانت کی سرحد شروع ہوتی ہے اور وہ اللہ کے خاص بندوں کو حاصل ہوتی ہے جن سے اللہ اپنے بندوں کی تربیت کا کام لیتے ہیں''۔

(مفکر اسلام، رسالہ: اصلاح واستفادہ سے کوئی مستغنی نہیں)

صوفیائے کرام کا کارنامہ

اور ایک موقع پر فرماتے ہیں: ''جن لوگوں نے اپنی جگہ بیٹھ کر اللہ کا نام سکھایا اور لوگوں کی تربیت کی ان کے کام کی تحقیر نہ کی جائے، یہ کام انہوں نے کیا جن کو عرف عام میں صوفیائے کرام کہتے ہیں، آپ کو معلوم نہیں کہ صوفیائے کرام نے کیا خدمات انجام دی ہیں؟ انہوں نے اسلامی معاشرہ کو زوال سے بچایا، اس کا میرے پاس ثبوت ہے، انہوں نے ایسا بنیادی کام کیا کہ اگر وہ نہ کرتے تو مادّیت کا یہ سیلاب لوگوں کو بہا کر لے جاتا اور تنکے کی طرح امت اسلامیہ بہتی، انہی کی وجہ سے لوگ رکے ہوئے تھے اور ہوس ونفس پرستی کا بازار گرم نہیں ہونے پاتا تھا، اور جو کوئی اس کا شکار ہوجاتا تھا تو فوراً اس میں احساس پیدا ہوتا تھا کہ ہم

غلط کام کررہے ہیں، ان کے پاس آتا تھا اور وہ روتا تھا، استغفار کرتا تھا، پھر یہ صوفیاء ومشائخ ان کو کام کے آدمی بناتے تھے اور اپنی جگہ پرفٹ کرتے تھے، تاریخ ہماری ناقص ہے، میں نے ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ نقص تاریخ نویسی کا ہے اسلام کا نہیں، تاریخ اس طرح لکھی گئی کہ سرکار دربار کے گرد گھومتی رہتی ہے اس میں ان اصلاحی کوششوں کا پورا جائزہ نہیں لیا گیا''۔

(نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں)

ایک جگہ فرماتے ہیں: صرف ادب، فکر ونظر اور معلومات ومطالعہ ہی سب کچھ نہیں بلکہ اور کیفیات وحالات بھی ہیں، جو محض ذہانت، مطالعہ اور ضوابط سے نہیں پیدا ہوتے یعنی یقین، اخلاص، ایمان واحتساب، شدت تعلق مع اللہ، ذوقِ دعا، درد ومحبت جس طرح سے احکام وضوابط کا سلسلہ محفوظ ومتوارث چلا آرہا ہے، اسی طرح یہ احوال وکیفیات یکسر ضائع وناپید نہیں ہوگئے ہیں اور جس طرح پہلی چیز کے لیے وسائل واساتذۂ فن اور نظام ہے، اسی طرح دوسری چیز کے مآخذ وذرائع، اس کے لیے بھی اہتمام وطلب کی ضرورت ہے، (ان) فیاض دل اور فیاض روح درویشوں اور انسانیت کے چارہ سازوں نے زندگی کے تھکے ہارے مسافروں اور مادّیت کے تقاضوں اور مطالبوں سے پامال کیے ہوئے انسانوں کے لیے جن کو اپنے دل کی زندگی دم توڑتی اور روح کا شعلہ بجھتا

نظر آتا تھا، ایسی پناہ گاہیں اور کارواں سرائیں تعمیر کی تھیں جہاں کچھ دن ٹھہر کر دل کے چراغ کی لو، نیاروغن، اور روشنی حاصل کرتی، افسردہ قویٰ میں تازگی اور روح میں جلا پیدا ہوتا، غفلت و معاصی کا مقابلہ کرنے اور اسلام کے پل صراط پر چلنے کا عزم اور قوت پیدا ہوتی۔

(سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ، ص: ۱۰۷)

''مگر لفظ تصوف اور بعد کے لوازم بہت سی طبیعتوں کے لیے موجب بعد اور وحشت بن گئے، لیکن جو شخص اس شعبہ کی روح کے حاملین اور فن کے مجتہدین کو دیکھتا ہے، اس کے اندر یہ اذعان پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کی اصل روح شریعت کا عین مطلوب اور نبوت کی میراث ہے، وہ آسانی سے اصل و زائد میں امتیاز کر لیتا ہے''۔

(پرانے چراغ: ص/ ۳۳۶، ۳۳۷)

تصوف کی اس حقیقت کو حضرت سید احمد شہیدؒ کے سلسلہ میں زیادہ نمایاں طور پر دیکھا اور سمجھا جا سکتا ہے۔

سیرت سید احمد شہیدؒ کی دوسری جلد میں (ص/ ۵۴۹) پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ سید صاحب کے طریقہ کی خصوصیات کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں:

''پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس زمانے میں اللہ کے یہاں آپ کا سلسلہ سب سے زیادہ مقبول تھا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی ان دیارِ

مشرقیہ میں اسی پر منحصر تھی، چنانچہ حاجی عبدالرحیم صاحب ولایتیؒ جو اپنے وقت کے جلیل القدر شیخ و سالک اور سلسلۂ چشتیہ میں بیعت مجاز تھے اور آپ کے سیکڑوں ہزاروں مرید تھے، فرماتے تھے: ''مجھے کسی سے سلوک میں رجوع کرنے کی ضرورت نہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی اسی میں پاتا ہوں کہ میں سید صاحب سے بیعت ہو جاؤں''۔

(روایت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ)

''دوسری خصوصیت مشائخ وعلماء میں مقبولیت ہے، چنانچہ ہندوستان کا کوئی خانوادہ اور کوئی سلسلہ نہیں ہے، جس کے اکابر نے سید صاحب کو اپنا بڑا نہ مانا ہو اور آپ سے استفادہ نہ کیا ہو، سلسلۂ چشتیہ کے دو نامور شیخ حاجی عبدالرحیم صاحب ولایتیؒ اور آپ کے خلیفہ میاں جی نور محمد صاحب جھنجانویؒ آپ سے بیعت ہوئے اور آپ کے رنگ میں رنگ گئے، حاجی صاحب بیعت کے بعد ہمیشہ خدمت میں رہے یہاں تک کہ بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔

اس سلسلہ کے دوسرے حضرات مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ اور ان کی جماعت کا تعلق تو آپ سے ایسا تھا جیسا کہ عاشق کو معشوق سے ہوتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی حیات میں آپ کے خاندان کے اہل علم وفضل نے آپ سے بیعت کی، مولانا اسماعیل صاحبؒ، مولانا عبدالحی

صاحبؒ، مولانا محمد یوسف صاحب پھلتی کے علاوہ شاہ اسحٰق صاحب، مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے استفادہ و باطنی تعلیم حاصل کی اس کے علاوہ تمام مشائخ و علماء آپ کی عظمت و مقبولیت، آپ کے طریقہ کی رفعت وفضیلت، آپ کی محبت اور آپ سے عقیدت پر متفق العقیدہ و متفق اللسان ہیں، آپ کی محبت اہل سنت اور صحیح الخیال جماعت کا شعار اور علامت بن گئی ہے۔

آپ کا طرز عمل اور آپ کا مسلک اتنا واضح، نمایاں اور مشہور تھا کہ آپ سے تعلق وانتساب صاف صاف توحید وسنت سے محبت اور شرک و بدعت سے نفرت کی دلیل تھی، اور آپ سے اور آپ کی جماعت سے عداوت وانکار اکثر حالات میں اس بات کی دلیل اور علامت ہوا کرتا تھا کہ توحید وسنت کی طرف سے دل میں کچھ کھوٹ اور ذہن میں کچھ الجھنیں ہیں''۔

حضرت تذکرۃ الرشید کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں: ''سید صاحبؒ توحید و رسالت واتباع سنّت پر بیعت لیتے تھے اور بس۔ سید صاحبؒ اتباع سنت کے لیے از حد تاکید فرمایا کرتے تھے اور بدعت کے سخت ماحی اور مخالف تھے، مولانا عبدالحی صاحبؒ سے ایک دن فرمایا اگر کوئی امر خلاف سنت مجھ سے ہوتا دیکھو تو مجھے اطلاع کر دینا، مولانا نے فرمایا کہ حضرت! جب کوئی خلاف سنت فعل آپ سے عبدالحی دیکھے گا تو وہ آپ کے ساتھ ہوگا ہی کہاں؟ یعنی ہمراہی چھوڑ دوں گا۔

تصوف سے بدگمانی کی وجہ

ان پاکیزہ تعلیمات کو فاسدالعقیدہ ،پیشہ ور اور جاہل صوفیوں سے نقصان پہنچا ہے، فرماتے ہیں: ''غلط اصطلاحات وتشریحات کے علاوہ دوسری چیز جس نے اس دینی حقیقت کو اور زیادہ غبار آلود کر دیا وہ پیشہ ور اور جاہ طلب، حقیقت فروش اور الحاد شعار و فاسد العقیدہ نام نہاد صوفی ہیں، جنہوں نے دین میں تحریف کرنے، مسلمانوں کو گمراہ کرنے ،آزادی و بے قیدی کی تبلیغ کرنے کے لیے تصوف کو آلہ کار بنایا اور اس کے محافظ وعلمبردار بن کر لوگوں کے سامنے آئے ،نتیجہ یہ ہوا کہ اہل غیرت اور اہل حمیت مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ان سے بدظن ہوگئی۔

(مفکر اسلام: بحوالہ تزکیہ واحسان: ص/ ۱۸)

حضرت کے تصوف کے مخفی رہنے کا سبب

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تزکیہ واحسان کا پہلوان کے علمی، ادبی، تاریخی اور امت مسلمہ کی فکر واصلاح کے سلسلہ میں ملک و بیرون ملک کے اسفار اور اسلام ومسلمانوں کے خلاف یوروپ کی شاطرانہ سازشوں سے نئی نسل خصوصاً عرب نوجوانوں کو بچانے کی تڑپ و بے کلی کے پردہ میں ایسا چھپا ہوا تھا کہ خاصان خدا کے علاوہ کم لوگوں نے اس کو سمجھا، مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں کہ: ''وہ موہوب من اللہ ہیں''۔ حضرت کی ذات میں شریعت و

طریقت دونوں چیزیں اس طرح جمع ہوگئی تھیں کہ بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے ؎

درکف جام شریعت درکف سندان عشق
ہر ہوس ناکے نہ داند جام و سنداں باختن

جگر مرحوم نے اس کو اس طرح سے ادا کیا ہے ؎

عشق ہے پیارے کھیل نہیں ہے
عشق ہے کارے شیشہ و آہن

پہلا مدرسہ اور پہلی خانقاہ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی زندگی کی ذیل کی سطریں نقل کرتے وقت آنکھیں اسی طرح اشکبار ہوگئیں جس طرح نو دس سال کے بچے کی تعزیت کرنے والے اونچے پائے کے لوگوں کی آنکھیں اشکبار تھیں، تحریر فرماتے ہیں:

''۱۶ر جمادی الآخرہ ۱۳۴۱ھ مطابق ۳ر فروری ۱۹۲۳ء جمعہ کا دن تھا کہ لکھنؤ کا یہ دور اور عمر بلکہ اپنے چھوٹے سے خاندان کی تاریخ کا زرّیں ورق اچانک پلٹ گیا، اور گھر کی بساط ہی پلٹ گئی، والد صاحب مرحوم نے چند گھنٹوں کی علالت کے بعد جان جان آفریں کے سپرد کری، اس کو تقدیری بات کہئے کہ اس وقت ان کے پاس تنہا میں ہی نو یا دس برس کا بچہ تھا، والد صاحب نے انتقال سے تھوڑی دیر پہلے سنترے منگوائے تھے! (غالباً تسکین وفرحت حاصل کرنے کے لیے) جب

سنترے آئے تو بجائے خود تناول فرمانے کے میری طرف اشارہ کیا کہ اس کو دے دو، میری خوش قسمتی کہ میں نے بغیر کسی ہدایت اور ان کے اشارے کے ان کے پاؤں دابنے شروع کر دیے، ان کا ذکر قلبی جاری تھا، بند ہونے پر بہنوں کو تشویش ہوئی، میرے استاذ مولوی محمود علی صاحب جمعہ کی چھٹی ختم کر کے جو وہ اپنے گھر جھوائی ٹولہ میں گزارتے تھے، واپس آ گئے تھے اور ایک حکیم اور والد صاحب کے ایک دوست بھی آ گئے اور اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ وہ اس جہانِ فانی سے رحلت فرما چکے ہیں، یہ خبر بجلی کی طرح سارے شہر میں دوڑ گئی اور محبین ومعتقدین جوق در جوق آنے لگے، وہ نیچے مطب میں بیٹھے تھے اور ان کی ہمدردی اور دل جوئی کا مرکز ایک کم سن بچہ تھا، جو یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ دفعتاً یہ کیا ہو گیا، یہ تعزیت کرنے والے کس مرتبے اور حیثیت کے لوگ ہیں ان کا کس طرح جواب دینا چاہئے؟ کبھی کوئی شفقت سے اپنے پاس بٹھالیتا، کبھی کوئی سینہ سے لگاتا، کوئی سر پر محبت کا ہاتھ پھیرتا، آنکھیں اشکبار اور دل مضطرب تھے۔

والدہ ماجدہ کا حال

میرے چچا مولوی سید عزیز الرحمٰن صاحب کو کچھ چوٹ آ گئی تھی، والد صاحب نے والدہ صاحبہ کو ان کی عیادت کے لیے ان کے یہاں بھیجا تھا، اسی اثنا میں وہ حادثۂ جانکاہ پیش آ گیا جس کا اوپر ذکر ہوا۔

میں والدہ صاحبہ کو لینے گیا، جب آئیں تو معلوم ہوا کہ ان کے سر کا وہ

تاج جس میں زہد وتقویٰ، بحث وتحقیق، علم وادب، صلح رحمی واقربا پروری، محبت و دوست نوازی، جسمانی وروحانی طبابت، خلق حسن اور ندوہ جیسے ادارہ کی نظامت کے موتی ٹنکے تھے، ان کے سر سے اتر چکا ہے، سجدہ میں گر گئیں جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا، اس صدمۂ جانکاہ کا حال وہ خود اس طرح بیان کرتی ہیں:

''جب خدمت کی مدت ختم ہونے کو آئی تو اس مالک حقیقی نے میرے حق میں بہتر سمجھ کر قسمت کا بہانہ پیش کر دیا، قسمت نے حکم ایزدی پا کر فوراً ہی فیصلہ کر دیا، میں اپنے مالک حقیقی کی رضا پر راضی ہوگئی، مگر یہ غم جدائی ایسا نہ تھا کہ میں برداشت کر لیتی، یہ بھی اس کی رحمت اور حکمت تھی کہ مجھے اپنی خوشی پر راضی رکھا ورنہ جو بھی حالت ہو جاتی کم تھی، ایسے مونس ورفیق کا یک بیک نظر سے غائب ہو جانا قیامت سے کم نہ تھا، میں نہیں کہہ سکتی کہ یہ دل پھر دل کی صورت میں کیونکر رہ گیا، بس یہ کہنا چاہیے کہ یہ حکم میرے لیے ہلاکت ومصیبت نہیں تھا بلکہ سراسر رحمت اور ذریعہ عنایت تھا، بجائے ہلاکت وبربادی کے مجھے اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا، اور میرا سچا مونس وغمخوار اور مددگار رہ کر ہر موقع پر ساتھ دینے لگا، سبحان اللہ کیا شان رحمت ہے اس کی، اٹھی غم کی گھٹا اور رحمت بن کر برس گئی جس سے تمام کھیتی سرسبز وشاداب ہوگئی''۔

والدہ ماجدہ کی تربیت

والد صاحب کا سایۂ عاطفت سر سے اٹھ جانے کے بعد ان کی شفقت و

محبت نے تحلیل ہوکر شفقت مادری کو دوچند کر دیا تھا، لیکن اس کے باوجود حضرت کی تعلیم وتربیت میں وہ شفقت حارج نہ ہوتی تھی، چنانچہ حضرت خود تحریر فرماتے ہیں:

مجھے قرآن مجید کی بڑی سورتیں انہوں نے اسی زمانے میں (بچپن ہی میں) یاد کرائیں باوجود اس کے کہ ان کی شفقت خاندان میں ضرب المثل تھی، اور والد صاحب کے انتقال کی وجہ سے وہ میری دلداری اور ایک حد تک ناز برداری قدرتاً دوسری ماؤں سے زیادہ کرتی تھیں، لیکن دو باتوں میں بہت سخت تھیں، ایک نماز کے بارے میں مطلق تساہل نہیں برتتی تھیں، میں عشاء کی نماز پڑھے بغیر سو گیا، خواہ کیسی ہی گہری نیند ہو اٹھا کر نماز پڑھواتیں اور نماز پڑھے بغیر کبھی نہ سونے دیتیں، اسی طرح فجر کی نماز کے وقت جگادیتیں اور مسجد بھیجتیں اور پھر قرآن مجید کی تلاوت کے لیے بٹھادیتیں، دوسری بات جس میں وہ قطعاً رعایت نہ کرتیں، اور اس میں ان کی غیر معمولی محبت وشفقت حارج نہ ہوتی تھی، گھر میں اگر میں خادم کے لڑکے یا کام کاج کرنے والی کے غریب بچوں کے ساتھ کوئی زیادتی وناانصافی کرتا یا حقارت وغرور کے ساتھ پیش آتا تو وہ نہ صرف مجھ سے معافی منگواتیں بلکہ ہاتھ تک جڑواتیں، اس میں مجھے خواہ کتنی ہی ذلت وخفت محسوس ہوتی مگر وہ اس کے بغیر نہ مانتیں، اس کا مجھے اپنی زندگی میں بہت فائدہ پہنچا اور ظلم وتکبر اور غرور سے ڈر معلوم ہونے لگا، اور دل آزاری اور دوسروں کی تذلیل کو کبیرہ گناہ سمجھنے لگا اس کی وجہ سے مجھے اپنی غلطی کا

اقرار کر لینا ہمیشہ آسان معلوم ہوا''۔

(ذکر خیر: ص/ ۴۷، ۴۸)

حضرت شاہ سید ضیاء النبیؒ جیسے ولی کامل ،قوی النسبت بزرگ کی صاحبزادی جو حقیقتاً خیر النساء تھیں جس کا ثبوت نہایت اندوہناک غم کے موقع پر صبر وہمّت اور رضا بر ضائے مولیٰ کا انہوں نے پیش کیا، اس سے ان کے نہایت بلند مرتبہ ہونے کا پتہ چلتا ہے جو بچہ ایسی ولیہ کی محبت وشفقت اور تعلیم وتربیت میں پلے بڑھے گا اور پروان چڑھے گا اور اس کے قلب مزکی ومصفی کے گرداگرد والدہ ماجدہ کی پرسوز دعاؤں کا ہالہ بھی ہوگا، اس کے تزکیہ واحسان کی تصویر کشی کیونکر کی جاسکتی ہے، وہ اپنے جگر پارہ کے لیے کس طرح اپنے رب کریم سے مچل مچل کر دعا کرتی تھیں، اس کا کچھ اندازہ ان کی مناجاتوں کے مجموعہ ''کلید باب رحمت'' سے لگانا آسان ہوگا، چند دعائیہ اشعار کا یہاں نقل کر دینا بے محل نہ ہوگا ۔

رہے باقی جہاں میں علی
رہے تیرے حفظ و اماں میں علی
ہو آباد کون و مکاں میں علی
ہو سر سبز باغ جہاں میں علی

علی سے ہو روشن چراغ جہاں
علی سے ہو سر سبز باغ جہاں

ایک شعر میں فرماتی ہیں ۔

علی کو قرب خاص الخاص اپنا مرحمت کردے
تمنا سے زیادہ ان کو عالی مرتبت کردے

اوپر مچل مچل کر دعا کا لفظ آیا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اس کیفیت میں ڈوبی ہوئی مناجات کے چند اشعار نذر ناظرین کر دیئے جائیں جن کا حضرت کی مقبولیت ومحبوبیت، تزکیہ واحسان کے مقام بلند پر پہنچنے میں یقیناً بڑا دخل ہے، فرماتی ہیں ۔

جو مانگا ہے جو مانگیں گے خدا سے ہم وہی لیں گے
مچل جائیں گے روئیں گے کہیں گے ہم یہی لیں گے
نہیں گو ہم کسی قابل مگر تیری عنایت ہے
جو تیری شان کے لائق ہے، ہم تجھ سے وہی لیں گے
کیا تو نے طلب ہم کو اٹھیں گے ہم نہ اس در سے
نہ جائیں گے نہ جائیں گے ابھی لیں گے وہی لیں گے

مزید برآں فرشتہ صفت بڑے بھائی حضرت ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی رحمۃ

اللہ علیہ کی شفقت ومحبت جس میں شفقت پدرانہ بھی سما گئی تھی ،ان کی تعلیم و تربیت میں مزید چار چاند لگائے ، خانقاہوں میں بزرگوں کی بڑی توجہ اس پر ہوتی ہے کہ اعجاب بالنفس ،انانیت وخود بینی نکل جائے ،والدہ ماجدہ نے بچپن ہی سے اس مرض کو جس طرح نکالا تھا اس کا ذکر اوپر گذر چکا، بھائی صاحب بھی مطالعہ وتعلیم کے ساتھ اس کا پورا اہتمام فرماتے تھے، اتنا اہتمام کہ ایک دن گھر کے ہم عمر بچے تفریحی باتوں میں لگے ہوئے تھے، ذکر ایک غیر مسلم ڈاکٹر صاحب کا چل نکلا جن کے بخل کا تذکرہ ہونے لگا، ڈاکٹر صاحب کا ادھر سے گذر ہوا تو حضرت سے مخاطب ہو کر فرمایا تم کچھ نہ کہو، بچپن میں تم بیمار ہوئے تو انہیں کے علاج سے تمہیں فائدہ ہوا تھا، کتنی لطیف تربیت تھی اس بات کی کہ محسن کے احسان کو برابر یاد رکھو، اس کی قدر کرو، غیبت سے بہت دور رہو۔

خانقاہوں میں مشائخ زیر تربیت مسترشدین کو نفس کشی کے لیے کبھی کبھی بظاہر بلا وجہ تنبیہ فرماتے ہیں، جس کی ان حضرات کے یہاں عجیب عجیب مثالیں ملتی ہیں۔

حضرت کے ساتھ نوعمری ہی میں دوران تعلیم یہ مرحلہ اس طرح طے ہوا کہ محض غلط فہمی کی بنیاد پر حضرت کے عربی کے استاذ خلیل عرب صاحب نے جن کے مزاج میں کچھ حدّت تھی، سخت زدوکوب کیا مگر حضرت نے اُف تک نہ کیا، بلکہ اس کی خبر والدہ ماجدہ کو پہنچی تو سن کر متاثر ہوئیں لیکن جب حضرت

رائے بریلی گئے اور والدہ ماجدہ نے پوچھا تو ذرا شکایت نہ کی بلکہ استاذ کی طرف سے دفاع کیا۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ دوران تعلیم ومطالعہ، تزکیہ واحسان کے مراحل طے کرنے کے لیے اہل اللہ کی خدمت میں بھی بھیجتے رہے، رسمی تعلیم مکمل ہونے کے بعد مفسر قرآن مولانا احمد علی لاہوریؒ کے پاس بھیجا جو فضلائے مدارس کو تفسیر اور حجۃ اللہ البالغۃ کا درس دیا کرتے تھے، درس کے ساتھ ساتھ مولانا کا زہد و استغنا اس درجہ کو پہنچا ہوا تھا کہ بقول حضرت کے: مدرسہ میں کھانا پک رہا ہوتا تھا اور مولاناؒ کے گھر میں فاقہ ہوتا تھا، مولاناؒ کے زہد وتقشف، ورع واحتیاط اور قناعت کی تفصیلات تو بہت ہیں، بس ایک دو باتوں کا ذکر اس لیے کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زہد واستغنا پر اس کا اثر بہت نمایاں رہا، حضرت سے ان کی مجلس میں کئی بار سنا کہ مولانا احمد علی صاحبؒ جب کہیں وعظ وتقریر کے لیے جاتے تو اپنے کرائے سے جاتے اور ساتھ میں کھانے کی کوئی ایسی چیز تیار کرا کر رکھ لیتے کہ وہاں کھانا نہ کھانا پڑے، فرماتے تھے کہ میزبانوں کی ضیافت سے بھی قلب کی کیفیت اور خلوص متاثر ہوتا ہے، اس کا اثر ہمارے حضرت پر جو پڑا تھا اس کا ذکر حضرت پر لکھنے والے ہر صاحب قلم وعقیدت مند نے کیا ہے۔

دوسرا واقعہ حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کا ایک جملہ ہے جو ہزاروں

نصیحتوں پر بھاری ہے، حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کو اپنے شاگرد ارشد سے جو تعلق تھا اس کا اظہار انہوں نے اپنے متعدد خطوط میں کیا ہے، یہاں تک تحریر فرمایا ہے کہ تمہاری ترقی سے جتنی خوشی ہوتی ہے اتنا اپنے بیٹے کی ترقی سے نہیں ہوتی، اس کے باوجود ایک دن یہ واقعہ پیش آیا کہ مولانا نے حضرت کی دعوت کی لیکن گھر میں کہنا بھول گئے جب حضرت کو لے کر گھر پہنچے تو صرف دال اور روٹی کے سوا کچھ نہ تھا جب کھانے پر بیٹھے تو بجائے اس کے کہ کوئی معذرت فرماتے آب زر سے لکھے جانے کے قابل یہ جملہ ان کی زبان سے نکلا:

''مولوی ابوالحسن صاحب! ہم سے اچھی تو یہ دال ہے کہ جس کام کے لیے پیدا کی گئی ہے اس کو پورا کر دیا''۔ اپنی ساری خاندانی خصوصیات و امتیازات کے ساتھ جس ذات گرامی کی تربیت اس طرح غیبی انتظام کے طور پر کی گئی ہو، اس کے تزکیہ واحسان کے بارے میں کیا لکھا جا سکتا ہے، ان کی پوری زندگی حدیثِ جبرئیل کا عملی نمونہ تھی، حضرت ابو یحیٰ زکریا انصاری شافعیؒ فرماتے ہیں: ''تصوف کی اصل حدیثِ جبرئیل ہے، اس اجمال کی تفصیل حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے سن لیجئے پرانے چراغ: ۱/۱۳۴ پر رقم فرماتے ہیں:

''میری زندگی میں وہ بڑا مبارک دن اور بڑی سعید گھڑی تھی جب مولانا احمد علی صاحب لاہوری امیر انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور سے نیاز حاصل ہوا، میری زندگی نے نیا راستہ (جہاں تک خیال ہے بڑا اور مبارک

راستہ) اختیار کیا، پہلا موڑ جب مولانا احمد علی صاحب سے تعلق پیدا ہوا، دوسرا موڑ اس وقت پیش آیا جب خدا نے مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچایا، اگر مولانا احمد علی سے ملاقات نہ ہوتی تو میری زندگی اچھی یا بری بہرحال موجودہ زندگی سے بہت مختلف ہوتی، اور شاید اس میں ادب و تاریخ اور تصنیف و تالیف کے سوا کوئی ذوق ور جحان نہ پایا جاتا، خداشناسی اور خدارسی کی راہ یابی اور راست روی تو بڑی چیزیں ہیں، مولانا کی صحبت میں کم سے کم خداطلبی کا ذوق، خدا کے نام کی حلاوت اور مردان خدا کی محبت اپنی کمی اور اصلاح و تکمیل کی ضرورت کا احساس پیدا ہوا اور ہم عامیوں کے لیے یہی بڑی دولت و نعمت ہے بلکہ بعض حقیقت شناسوں کے نزدیک یہی اصل دولت ہے اس کے مل جانے کے بعد پھر عمر بھر فرصت کہاں؟ چنانچہ حضرت کی پوری زندگی اسی کی شاہد عدل ہے جس کو کسی صاحب دل نے اس طرح ادا کیا ہے ؎

مکتب عشق کا دیکھا یہ نرالا دستور
اس کو فرصت نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا

یہ انسانی کمزوری ہے کہ جب علم محدود ہو اور زہد و عبادت کا کوئی خاص رنگ غالب نہ ہوا ہو اور تربیت مکمل نہ ہوئی ہو تو وہ اپنے علاوہ کسی کو بزرگ کم مانتا ہے بلکہ تنقید و بدگمانی کا شکار ہوتا ہے، ہمارے حضرت کے ساتھ یہ واقعہ بہت پیش آیا، ایسے لوگ حضرت شیخ (یعنی مولانا محمد زکریا) رحمۃ اللہ علیہ کے

ہمارے حضرت کی مرتبہ شناسی اور محبت عاشقانہ کو تالیف قلب پر محمول کرتے تھے، جب محبت عاشقانہ کا ذکر آ گیا تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ کا ایک شعر بھی لکھ دوں، ایک مرتبہ ہمارے حضرتؒ نے اپنے خط میں سہارن پور جانے کا ذکر کیا اور کسی وجہ سے تاخیر ہوئی، حضرت شیخؒ نے اس تاخیر پر حضرت کو شکایتی خط لکھا، اور لکھا ؎

مت آئیو وعدہ فراموش تو اب بھی
جس طرح کٹا روز گزر جائے گی شب بھی

راقم سطور نے یہ خط خود پڑھا ہے اور یہ شعر سوانح حضرت شیخ میں بھی درج ہے مگر ہمارے حضرت نے اس کا اظہار نہیں کیا کہ یہ شعر ہمارے خط میں لکھا تھا۔

ہمارے حضرت کے دست گرفتہ اور حضرت شیخ کے بھی عاشق طارق عسکری صاحب مدینہ منورہ میں ملازمت کی وجہ سے حضرت شیخ کی خدمت میں عقیدتمندانہ حاضری دیتے تھے اور حضرت شیخ بھی ان کو بہت چاہتے تھے جیسا کہ اوپر انسانی کمزوری کا ذکر ہوا بعض حضرات ہمارے حضرت پر بڑی جارحانہ تنقید فرماتے تھے اتنا کہ طارق صاحب کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کی حضرت شیخ نے اپنے خاص انداز میں طارق صاحب سے فرمایا:

''ابے یہ باولے علی میاں کو کیا پہچانیں گے''؟

(طارق صاحب ماشاء اللہ باحیات ہیں اور مدینہ منورہ ہی میں ہیں انہوں نے راقم سطور سے براہ راست یہ بات بیان کی، ممکن ہے الفاظ میں کچھ ردوبدل ہوگیا ہو)۔

بے نفسی واخفائے حال

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں جب کہ ابھی یہ کام پر مشقت ونامانوسیت کے دور سے گزر رہا تھا، بڑے پر مشقت سفر فرمائے، بعض وقت تو صحت بہت خراب ہوتی، پیچش کی شکایت اور ملتان و پیشاور جیسے دور دراز خطہ کا سفر مگر سب کچھ برداشت فرماتے، اس کا اندازہ ان خطوط سے ہوتا ہے جو حضرت نے اپنے برادر معظّم ڈاکٹر عبدالعلیؒ صاحب کے نام لکھے ہیں، خود بانی تبلیغ مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مرض وفات میں اس شدت تکلیف کے عالم میں کہ چارپائی کو حرکت ہوتی تو تکلیف ہوتی حضرت کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا آپ نے دعوت کا کام بہت کیا ہے، تھک گئے ہیں، کوئی آپ کا ساتھ دینے والا بھی نہیں۔ (میر کارواں) اس سب کے باوجود جب مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر مضمون لکھتے ہیں اور ان کی خوبیوں اور کمالات انتھک محنت کی تصویر کشی کرتے ہیں تو اپنے آپ کو اس طرح پیش کرتے ہیں:

''میرا خود یہ حال تھا کہ اکثر اپنے دل سے خطاب کر کے کہتا بے ہمت! مولانا کے لیے ساری زندگی کا معاملہ ہے، تیرے لیے صرف دو دن کا معاملہ ہے لیکن بہانہ جو اور سہولت پسند طبیعت اپنی صحت کی کمزوری اور مولانا کی اعلیٰ ظرفی کا سہارا لے کر گوشۂ عافیت تلاش کر لیتی، اس وقت اگر کوئی تلاش کرنے والا تلاش کرتا تو خود زبان حال سے اس کو اپنا پتہ اس طرح دیتا کہ ؎

ہوگا کسی دیوار کے سایہ کے تلے میر
کیا کام محبت سے اس آرام طلب کو

کسی جلسہ سے واپسی پر جہاں معتقدین کا ہجوم ہوا ہوگا، ایسے وقت اعجاب بالنفس میں مبتلا ہو جانے کا بڑا خطرہ ہوتا ہے، ٹھیک اسی وقت ایک نیازمند ملنے کے لیے مرکز کچہری روڈ میں جہاں اکثر حضرت کا قیام ہوتا تھا، حاضر ہوا تو یہ شعر گنگناتے سنا ؎

کچھ بھی حاصل نہ ہوا دہر میں نخوت کے سوا
شغل بیکار ہیں سب تیری محبت کے سوا

بلاد عربیہ، حجاز اور مصر و شام میں حضرت کی جو پذیرائی ہوئی، بڑے بڑے علماء، ادباء، مفکرین حضرت کے محاضروں میں شرکت کے لیے طالب علموں کی طرح سے جس ذوق وشوق کے ساتھ شرکت ہوتے تھے، ایسے میں نفس کا شر سب کیے کرائے پر پانی پھیر سکتا ہے، لیکن حضرت اس سب کو اپنے

مرشد مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کی توجہ اور فیض پر محمول کر کے غالب کا یہ شعر پڑھ کر وساوس شیطانیہ کو دفع فرماتے تھے ۔

بنا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

حضرت اپنے علم وفضل اور خلوص وللّٰہیت کے سبب بلاد عربیہ میں مقبول و محبوب بن چکے ہیں، اپنے مرشد کے ساتھ حج کو جاتے ہیں تو حضرت کے لیے بیت اللہ شریف کا دروازہ کھولا جاتا ہے، اپنے مرشد و دیگر احباب کے ساتھ خانہ کعبہ میں داخلہ کا شرف حاصل ہوتا ہے، مگر اشارہ کنایہ میں بھی اس کو اپنی طرف نہیں منسوب کرتے بلکہ اپنے شیخ کی برکت وفیض سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں ۔

مور مسکیں ہوس داشت کہ در کعبہ رسد
دست برپائے کبوتر زد و ناگاہ رسد

حضرت نے اپنے مرشد کے ساتھ رمضان المبارک رائے پور میں گذارا، کیا کیا کیفیات حاصل ہوئی ہوں گی، اس کا کوئی ذکر نہیں کرتے بلکہ یہ شعر پڑھ کر سب کچھ بیان فرمادیتے ہیں ۔

دکان مے فروش پر سالک پڑا رہا
اچھا گذر گیا رمضاں بادہ خوار کا

اس طرح کے اور بہت سے واقعات ہیں لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے

یہاں اخفائے حال بہت تھا جو مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کے الفاظ میں پوری طرح ادا ہوا ہے:

''ایک بار نہیں، شاید دو ایک بار اور اشارتاً و کنایتاً نہیں، منہ پھوڑ کر پوچھا کہ حضرت شاندار مصطلحات تصوف کا مفہوم کچھ تو ہم نیازمندوں پر کھولئے، ''تنازل ستہ'' کے چہرہ سے نقاب ذرا تو سرکایئے، ''توجہ باطن'' سے قلب کو گرمایئے، کچھ جواب نہ ملا، تجاہل سا کر کے ٹال گئے، ایسا تجاہل جو دانستہ تغافل سے کم نہ تھا''۔

سحر خیزی و ذکر و مراقبہ

تزکیہ و احسان کے ذوق و طلب اور اس کے شوق و جذبہ کو پروان چڑھانے کے لیے رات کے آخری حصہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اس وقت رحمت خداوندی خصوصاً متوجہ ہوتی ہے، جس کا حدیث پاک میں مختلف عنوانوں سے بہت ذکر آیا ہے لہٰذا حضرت کا سحر خیزی کا برابر معمول رہا، تہجد سے فارغ ہو کر ذکر فرماتے اور جب کلمۂ توحید کی ایک تسبیح پوری ہوتی تو کیف میں ڈوبا ہوا کوئی شعر پڑھتے، حضرت کے ہمہ وقت کے خادم خاص حاجی عبدالرزاق صاحب سے بہت سے وہ اشعار معلوم ہوئے جو حضرت تہجد کے وقت پڑھا کرتے تھے، اس کی تصدیق یوں بھی ہوئی کہ راقم سطور نے حضرت کو اپنے ایک نیازمند کو ذکر کی تلقین کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ درمیان درمیان کوئی

شعر بھی پڑھ لیا کرو جس سے سوز و گداز پیدا ہو، حضرت جو اشعار پڑھتے تھے جو معلوم ہو سکے درج ذیل ہیں، کبھی پڑھتے ۔

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

کبھی پڑھتے ۔

ادھر بھی ابر رحمت آئے اور جم جم کے یوں برسے
کہ ہو سرسبز کھیتی ہم غریبوں بدنصیبوں کی

کبھی پڑھتے ۔

ترا شیوہ کرم ہے اور مری عادت گدائی کی
نہ ٹوٹے آس اے مولیٰ ترے در کے فقیروں کی

کبھی پڑھتے ۔

الٰہی تجھ پہ آساں ہے مری مشکل کو حل کرنا
کمال سرفرازی میں مجھے ضرب المثل کرنا

کبھی پڑھتے ۔

سہارے پر ترے مولیٰ مری ہمت بھی عالی ہے
ہزاروں کشتیاں ڈوبی ہوئی تو نے نکالی ہیں

کبھی پڑھتے ۔

بادشاہا جرم مارا در گزار
ماگنہ گاریم و تو آمرزگار
تو نکوکاری و ما بدکردہ ایم
جرم بے اندازہ بے حد کردہ ایم

کبھی پڑھتے ۔

بندہ نوازمیری منت کی لاج رکھ لے
میری نہیں تو اپنی رحمت کی لاج رکھ لے

کبھی عربی کا یہ شعر پڑھتے ۔

لیتك تحلو و الحیاۃ مریرۃ
و لیتك ترضی والأنام غضاب
لیت الذی بینی و بینك عامر
بینی وبین العالمین خراب

یعنی کاش آپ کی محبت دل میں رچی بسی ہوخواہ زندگی بدمزہ کیوں نہ ہو۔آپ راضی اورخوش ہوں تو ساری مخلوق کی ناراضگی کی پرواہ نہیں۔آقا سے غلام کا رشتۂ غلامی آباد ومعمور ہوتو میرے اور پوری دنیا کے درمیان بے تعلقی کی کوئی پرواہ نہیں۔

ذکر سحرگاہی میں اور بھی بہت سے اشعار قلب کے اندر کیف سوز وگداز کو

بڑھانے کے لیے پڑھتے۔

حضرت اپنے مسترشدین کو بالعموم ذکر کے لیے تین تسبیحات ہی کی پابندی کی تلقین کرتے، زیادہ زور تصحیح نیت اور احتساب نفس پر ہوتا، لیکن خاص اور بکثرت رجوع کرنے والے نیازمندوں کو ذکر کی تلقین اس طرح بھی فرماتے کہ ذکر کرنے بیٹھو تو درود شریف پڑھ کر گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی آل واولاد کو ایصال ثواب کر کے پھر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو ایصال ثواب کرو، پھر کہو! ''اے اللہ! تو ان تمام مشائخ و بزرگوں کو ان آیات کا ثواب پہنچا جن سے ہم کو فائدہ پہنچا اور پہنچ رہا'' پھر یہ دعائیہ الفاظ کہہ کر ''اے اللہ میں تجھ سے تیرا نام چاہتا ہوں، اے اللہ میں تجھ سے تیری محبت چاہتا ہوں، اے اللہ تو مجھ سے وہ کام لے جو تجھے پسند ہوں'' ذکر شروع کرو۔

ابتلاء وآزمائش

اہل اللہ کو ابتلاء وآزمائش کے اس دور سے بھی گزرنا پڑتا ہے جس کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ: ''أشد الناس بلاءً الأنبیاء ثم الأمثل فالأمثل''.

ہمارے حضرت کو بھی اس ابتلاء وآزمائش کے بڑے جاں گداز حالات سے گذرنا پڑا، راقم سطور ۱۹۵۴ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے درجہ اول میں

داخل ہوا تھا، توفیق خداوندی کے سوااس کی کوئی اورتاویل نہیں ہوسکتی کہ اس نوعمری ہی سے حضرت سے تعلق رہا اور پورے ۴۵ سال گذر گئے، اس مدت میں حضرت پر حاسدین وحاقدین کے تیرونشتر کے مناظر دیکھتا رہا، اخبارات و رسائل میں کیا کچھ نہ لکھا جاتا لیکن حضرت کا معمول وہی دیکھا جو اہل اللہ کا شعار رہا ہے کہ ؎

ہرکہ مارا رنج دادہ راحتش بسیار باد

بعض وہ لوگ جو حضرت کے ساختہ پرداختہ تھے، ان میں سے بعض نے تو حضرت کے خلاف پوری کتاب لکھ ڈالی، اور بعض لکھنؤ میں رہتے ہوئے ایسے کٹے رہے جیسے یہاں ہیں ہی نہیں اور اخیر میں تو ایسے ایسے حضرات جو حضرت ہی کی وجہ سے جانے پہچانے گئے تھے اور کام میں لگے تھے، بالکل بے تعلق ہو گئے مگر حضرت نے اپنے سلوک و برتاؤ میں کوئی فرق نہ آنے دیا، ملنے جاتے، مزاج پرسی وعیادت کے لیے جاتے اور اس کے باوجود اپنے بعض نیازمندوں سے جو بہت قریب رہتے تھے اور حضرت ان پر بہت اعتماد کرتے تھے، پوچھتے کہ بھئی فلاں صاحب کے بارے میں ہماری طرف سے کوئی زیادتی تو نہیں ہوئی۔

ایک دن ایک نوجوان آئے جو کسی تنظیم کے ذمہ دار تھے، حضرت کے پہلو میں اس طرح بیٹھے جیسے کوئی برابر والا بیٹھتا ہے، حضرت ان سے پورے اخلاق کے ساتھ بات کرتے رہے، جب وہ چلے گئے تو حضرت کے عاشق شیدا

صوفی انیس صاحبؒ جو اس وقت موجود تھے، عرض کیا کہ حضرت ان کی طرف طبیعت کچھ چلی نہیں، حضرت نے فرمایا، ان کا بس چلے تو مجھے قتل کر دیں، مگر حضرت پورے اخلاق کے ساتھ پیش آئے۔

بعض مناظر تو راقم سطور نے ایسے دیکھے کہ حضرت ہی کے صدقہ میں پلنے بڑھنے والوں نے بھرے مجمع میں ایسا معاملہ کیا کہ جیسے گنوار اور دیہاتی لوگ اپنے مخالف کے ساتھ کرتے ہیں مگر حضرت کی زبان سے شکایت کا ایک لفظ نہ نکلا، کہنے والے نے سچ اور مبنی بر حقیقت بات کہی ہے کہ ؎

سالک راہ محبت کا خدا حافظ ہے
اس میں دوچار بہت سخت مقام آتے ہیں

حضرت نے جس حلم وصبر، اور وسعت ظرفی کی مثال پیش کی اس پر بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ؎

ہمارے بعد کوئی آبلا پھر نہ آئے گا
رہے گی خشک کانٹوں کی زباں جب ہم نہیں ہوں گے

تصوف تعطل اور زندگی سے فرار نہیں سکھاتا

حضرت فرماتے ہیں کہ تصوف تعطل اور زندگی سے فرار نہیں سکھاتا بلکہ وہ دین کی حمیت اور اسلام کی حمایت کا جذبہ ابھارتا ہے، حضرت کی زندگی اسی کی آئینہ دار اور زندہ جاوید تصویر تھی۔

اس کی عکاسی ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے خوب سے خوب تر کی ہے، وہ حضرتؒ کو شیخ ربانی کہ الفاظ سے یاد کرتے ہیں، وہ حضرت پر اپنی ضخیم کتاب میں اپنی بات اس طرح شروع کرتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ ہم نے شیخ کی زندگی میں جو کچھ لکھا تھا اس کا اقتباس پیش کردوں، ان پر اللہ کی رحمت و مغفرت کا شامیانہ تنا رہے، ان کو اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمائے، اس ربانی، اسلامی، قرآنی، محمدی، عالمی شخصیت کے متعلق کیوں نہ لکھوں کہ وہ ہمارے شیخ ومحبوب تھے رضی اللہ عنہ وأرضاہ۔

پھر وہ "شیخ ربانی، اسلامی، قرآنی، محمدی، عالمی" کی الگ الگ سرخیاں لگا کر اس کی دلکش تصویر کشی اس طرح کرتے ہیں کہ حضرت کے تصوف وتزکیہ، عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عالمی پیمانہ پر ملت کے بلکہ پوری انسانیت کے لیے بے چینی وبے کلی اور درد وسوز کا سراپا نگاہوں میں گردش کرنے لگتا ہے، چنانچہ ڈاکٹر قرضاوی رقمطراز ہیں:

ربانی: ہم نے ان کو "ربانی" لکھا، اس لیے کہ علماء سلف اس بات پر متفق ہیں کہ ربانی اسی کو کہتے ہیں جو عالم باعمل ہو اور دوسروں کو سکھانے کا جذبہ رکھتا ہو، جس شخص نے علم حاصل کیا اور اپنے علم پر عمل نہ کیا وہ ربانی نہیں بلکہ اس کا علم اس کے خلاف حجت ہوگا، یہ وہ علم ہے جو نفع نہیں پہنچاتا ہے، ایسے علم سے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی

ہے،فرمایا:

"اللّٰهم إني أعوذ بك من علم لاينفع ومن قلب لايخشع" (اور جس نے علم حاصل کیا اور اس پرعمل بھی کیا لیکن دوسروں کو نہیں سکھایا، دوسروں کو دعوت نہ دی وہ بھی ربانی نہیں) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ". [آل عمران/۷۹]

اور جس نے علم حاصل کیا اور اس پرعمل کیا اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دی (زبان سے، قلم سے، سفر کر کر کے اور عمل سے) یہ ہے وہ ربانی جس کی عظمت کے تذکرے آسمانوں میں ہوتے ہیں ارشاد ربانی ہے:"وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ". [فصّلت/۳۳]

شیخ قرضاوی نے اس تزکیہ کی وضاحت کرنے کے لیے جس کو قرآن کریم نے بیان کیا ہے، اس کو منصب رسالت کی ذمہ داری کا بنیادی شعبہ قرار دیا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو"أن تعبدالله كأنك تراه فان لم تكن تراه فإنه يراك" سے تعبیر فرمایا ہے، شیخ نے ربانی کا لفظ اپنی گرانقدر کتاب"ربانية لا رهبانية" کے نام سے موسوم کتاب کے عنوان میں

استعمال فرمایا ہے جس کا منشا محض اللہ کی رضا کے لیے عمل کرنا جو ناپسندیدہ بدعات ومبالغوں کے اعتقاد وعمل سے پاک ہو۔

اسلامی: یہ بات کہ وہ اسلامی ہیں اس حقیقت کے اعتبار سے کہ دین اسلام ان کے رگ وریشہ میں اس طرح رچا بسا تھا کہ:

شاخ گل میں جس طرح باد سحر گاہی کانم

اسی سے ان کی اٹھان ہوئی تھی اور یہی ان کی ساری تگ ودو کا مقصود تھا، ان کی زندگی کا ہر عمل اسی کے گرد گھومتا تھا، اسی کی خاطر لکھتے پڑھتے، چلتے پھرتے اور ملک ملک کی خاک چھانتے اور اسلام ہی سے قوت وتوانائی حاصل کرتے، اسی پر عمل پیرا رہتے جس سے محبت کرتے دین کی خاطر، طبیعت میں تکدر اور غصہ کی کیفیت ہوتی اور اس کا اظہار ہوتا تو دین ہی کی خاطر، اسلام کا درد وسوز ان سے مضامین لکھواتا اور کتابیں تصنیف کرواتا، درس وتدریس ہو کہ وعظ وتقریر سب کچھ اسلام ہی کے لیے ہوتا، دن اسی کی فکر میں گذرتا رات دعائے نیم شبی میں گذرتی، اسلام ہی ان کے سفر کا زادراہ اور حالت قیام کا مونس ودم ساز ہوتا، خلاصہ یہ کہ اسلام ہی ان کی زندگی تھی اور اسلام ہی کے لیے وہ جینے کی آرزو رکھتے تھے جو کبھی کبھی ان کی زبان مبارک سے اس طرح ابل بلکہ چھلک پڑتا تھا۔

روح پدرم شاد کی فرمود باستاذ
فرزند مرا عشق بیاموز دگر ہیچ

ان کے دل وعقل اور لمحات زندگی کو ہمہ وقت جو چیز مشغول رکھتی تھی وہ اسلام ہی تھا، اسلام کا پیغام، اس کی تہذیب، اس کی بیداری وغلبہ امت مسلمہ کے مسائل اور دشمنان اسلام کی نت نئے انداز میں یورشیں اور سازشیں ان کے فکروذہن پر طاری رہتیں، ان پر جو چیز سب سے زیادہ طاری رہتی تھی وہ باہر کے حملوں سے برسر پیکار ہونے کے لیے اپنے اندرونی محاذ کو طاقتور بنانا تھا، جو افراد کی تربیت کے بغیر ناممکن ہے کہ قوم وجماعت کی یہی بنیادی اینٹ ہے، ارشاد ربانی ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَابِقَوْمٍ حَتّٰی مَابِأَنْفُسِهِمْ". [الرعد/۱۱]

قرآنی: یہ بات کہ وہ ''قرآنی'' ہیں، اس لیے کہ رشد وہدایت کا چشمۂ اول قرآن ہی ہے، اسی سے وہ اپنی گفتگو اور تحریر وتقریر کی سلسبیل کو جاری کرتے ہیں اور پورے جزم ویقین کے ساتھ بلا خوف لومۃ لائم پُر اعتماد انداز میں اپنا درِدل اور سوزِ جگر پیش کرتے ہیں، قرآن ہی سے ان کو انس ومحبت ہے، اسی کی روشنی میں بولتے اور لکھتے، عبادت کا فریضہ اسی کی تلاوت سے ادا ہوتا، اسی کے پڑھنے کا لطف ومزہ لیتے جس سے ان کی ایمانی حرارت میں اضافہ ہوتا ہے، ان کے لمحات زندگی اسی کی عطر بیز فضاؤں میں

گذرتے، اس کی آیات دل کے تاروں کو چھیڑتیں اور وہ اس کے معانی کے لعل وگہر نکالتے اور اپنی تقریروں، تحریروں، اور رسالوں میں ان کو بکھیرتے جس میں عقل کی سوجھ بوجھ اور تأثر میں ڈوبی ہوئی دل کی دھڑکنیں سنائی دیتیں، ہماری اس بات کی شہادت ہر وہ شخص دے گا جس نے ان کی تقریر کو سنا اور ان کی بڑی اور چھوٹی ہر طرح کی کتابوں کو پڑھا ہے، پھر ان کے قرآنی ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے اور جس کا پیشوا قرآن ہو وہ غلط رُخ پر نہیں جاسکتا۔

محمدی: ''محمدی'' سے میری محض یہ مراد نہیں کہ وہ سید زادہ ہیں، ان کا سلسلۂ نسب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے، وہ ہاشمی اور حسنی ہیں کتنے ایسے حسنی اور حسینی ہیں کہ ان کے اعمال ان کے نسب سے میل نہیں کھاتے کہ جس کا عمل پست ہو نسب اس کو اونچا نہیں کرسکتا: ''ومن بطأ عملہ لم یسرع بہ نسبہ''.

ہماری مراد یہ ہے کہ وہ یگانہ روزگار مثالی عالم وداعی ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا کو اپنایا اور پیش کیا ہے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ پر عبادت وزہد میں زندگی کی زیب وزینت اور دنیا کے حسن وجمال سے دور رہنے میں عمل کر کے دکھایا، وہ چودھویں صدی کی دنیا میں پہلی صدی کے حضرات (صحابہ کرامؓ) کی زندگی کی تصویر پیش کر رہے تھے، ہم جیسے لوگوں کی طرح مال ومتاع اور ٹھاٹ باٹ کی فکر نہیں کرتے

تھے، تم ان کو دیکھو تو سلمان فارسیؓ اور ابو درداءؓ کی تصویر نگاہوں میں پھرنے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں آپ کی گفتگو چوب خشک محض محقق و مضمون نگار کی نہیں ہوتی تھی بلکہ ایک عاشق شیدائی کی ہوتی تھی جو اس مثالی ولاثانی شخصیت پر فریفتہ ہو، یہ بات ان کی کتاب ''نبی رحمت'' ہی میں نہیں بلکہ ان کی ساری کتابوں اور تقریروں سے عیاں ہوتی ہے، یہ محبت اور محبوب کے سانچہ میں ڈھل جانا آپ کی جامع کمالات سیرت کو پوری طور پر ہضم کر لینے کے سبب پیدا ہوئی جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع فرمادی تھیں، تزکیہ واحسان اس کے علاوہ اور کس چیز کا نام ہے؟

عالمی: ہمارا یہ خیال کہ وہ عالمگیر شخصیت کے مالک ہیں، یہ بات ہر اس شخص پر عیاں ہے جو شیخ کی علمی، فکری اور دعوتی سرگرمیوں پر نظر رکھتا ہے، وہ اگر چہ وطن اور پرورش و پرداخت اور تعلیم و تعلم کے اعتبار سے ہندوستانی تھے، مگر ان کی عقابی نظر و فکر مقصد کے اعتبار سے عالمی تھی، اگر انہوں نے ایک طرف ہندوستانی مسلمانوں کی اصلاح اور دین و عقیدہ کی حفاظت کی فکر کی اور ان کے مسائل میں شریک ہوئے اور اس بارے میں تمام جماعتوں کی پیشوائی کی جیسا کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے سلسلہ میں جب کبھی حکومت نے مسلمانوں پر ایسا قانون نافذ کرنا چاہا جو ان کو ان کے دینی امتیاز و تشخص سے محروم کر دے تو شیخ نے پوری ایمانی قوت و جرأت اور جوش و اعتماد کے ساتھ اس کی تردید کی،

ان کی یہ تڑپ و بے کلی اور فکر و سرگرمی ہندوستان ہی تک محدود نہیں رہی بلکہ پورے عالم پر سایہ فگن رہی، اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ عالم عربی میں حضرت شیخ کی شہرت ہندوستان سے کم نہ تھی۔ (بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ عالم عربی میں ہندوستان سے کہیں زیادہ معروف محبوب) چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ وہاں کی بیشتر تحریکوں اور اداروں کی عالمی کمیٹی اور رابطہ کی فقہی کمیٹی کے رکن ہیں ایسے ہی اردن کی شاہی کمیٹی برائے ''بحث و تحقیق اسلامی تہذیب'' اور دمشق کی علمی اکاڈمی کے رکن ہیں۔

مولانا ہی کی ذات گرامی ہے جس نے اسلامی علوم وفنون کی تحقیق و مطالعہ کے لیے آکسفورڈ سینٹر قائم کرنے کی کوشش کی جو خالص مغربی یونیورسٹی میں اسلامیات کی تحقیقات کا سینٹر ہے، شیخ ابتدا ہی سے اس کے صدر رہے، اسی طرح سے انہوں نے رابطہ ادب اسلامی قائم کرنے کی فکر پیش کی اور اس میں حصہ لیا کہ اسلام پسند ادباء کے لیے وہ ایک عالمگیر اسٹیج ہو، شیخ اس کے قیام ہی کے وقت سے اس کے صدر رہے جو شخص بھی مولاناؒ کی تقریروں اور رسائل کو پڑھے اور دیکھے کہ وہ کہاں پڑھے اور پیش کیے گئے اور ان کا مخاطب کون لوگ تھے تو اس پر روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا کہ ان کی شخصیت عالمی تھی، چنانچہ ''عربوں کے نام پیغام''، ''نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں''، ''دو ہفتہ ترکی میں''، ''دو ہفتہ مغرب میں'' ''نہر کابل سے نہر یرموک تک'' اس

کا بین ثبوت پیش کرتے ہیں، اس طرح سے شیخ جس ملک میں گئے ''إسمعی'' (سنو!) کے عنوان سے اس ملک کو بحیثیت ایک مشفق، ہمدرد و بہی خواہ کے پیغام دیا، مصر گئے تو اس کو ''إسمعی یامصر!'' کے عنوان سے خطاب فرمایا، سوریہ کو بھی اسی عنوان سے مخاطب کیا، کویت کو ''إسمعی یازھرۃ الصحراء'' کے عنوان سے پیغام دیا، ایران سے بھی ''إسمعی یاإیران'' کے عنوان سے مخاطب ہوئے غرض یہ کہ شیخ کا سوزِ دروں پورے عالم انسانی کے لیے ان کو بے کل رکھتا تھا اور جو کچھ لکھتے بولتے پورے عالم انسانیت کو سامنے رکھ کر لکھتے، بولتے۔

شیخ یوسف القرضاوی کی بات ختم ہوئی اسکی مزید تائید کے لیے یہ عرض کرنا بجا ہوگا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت خراب تھی، پیرانہ سالی نے اپنا پورا سایہ ڈال رکھا تھا اور اس حال میں دینی تعلیم کونسل کے سرگرم وفعال بزرگ وکیل جناب ظفر الحسن عیادت کے لیے رائے بریلی تشریف لے گئے تو عرض کیا حضرت اب آپ کی عمر وصحت سفر کے قابل نہیں رہی، یہیں قیام فرمائیں جس کو فائدہ اٹھانا ہوگا خود آئے گا، حضرت نے جواب دیا: وکیل صاحب!'' جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سوال فرمائیں گے کہ امت مسلمہ کن خطرات سے گزر رہی تھی اور تم کو خانقاہ کی سوجھی تھی تو میرے پاس کیا جواب ہوگا''۔

گستاخی پر نہ محمول کیا جائے تو ہمت کر کے یہ عرض کروں کہ یہ وہ تزکیہ و احسان ہے جس پر ہزار پیشہ ورانہ خانقاہیں اور عیارانہ جبہ ودستار قربان، اپنی اس

جسارت کی تائید میں معاصر بزرگوں نے جو کچھ فرمایا اس کو عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مولانا احمد علی لاہوری کی نظر میں قدر و منزلت

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تفسیر و مربی مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت والاؒ کے ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں:

''آپ کا خط پڑھا تو اس میں آپ نے اپنی شرافت خداداد اور سعادت ازلی کے وہ موتی الفاظ کی لڑیوں میں پروئے تھے جنہیں پڑھ کر بیساختہ آپ کی صلاحیت شرافت اور سعادت کی دل نے داد دی اور دل سے دعا نکلی کہ اے اللہ! مولوی ابوالحسن صاحب کو اور زیادہ ادراک اور فہم سلیم عطا فرما اور ان کی ہستی کو اپنی رضا میں فنا کر کے دین کی خدمت کا بہت بڑا کام لے اور انہیں تا دیر سلامت رکھ کر دین کی تبلیغ اور خلق اللہ کے باطن کی تربیت کی توفیق عطا فرما اور انہیں اخلاص اور استقامت کے عطیات سے سرفراز فرما''۔

آمین یارب العالمین!

حضرت شاہ وصی اللہ فتحپوری کی محبت کی عجیب مثال

مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ کو حضرت والا سے جو ربط و

تعلق قلبی تھا اس کی تفصیل تو طویل ہے، یہاں شیخ یوسف القرضاوی کے عالمی کی مناسبت سے ایک خط کا اقتباس پیش کر دینا کافی ہے، حضرت شاہ صاحب کے زمانۂ قیام گورکھپور میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ملاقات کو حاضر ہوئے اور واپسی کے بعد خط لکھا جس میں حضرت کی شفقتوں اور اپنے احساسات و تأثرات کا ذکر کرتے ہوئے یہ مصرع لکھ دیا ع

کلاہ گوشۂ دہقاں بآفتاب رسید

شاہ صاحب نے حضرت کے خط کا جو جواب لکھا اس میں یہ لکھا کہ اس (شعر) کا صحیح مصداق تو یہ تھا کہ میں پڑھتا کیونکہ ایک بادشاہ نے کسی دہقاں کے یہاں نزول فرمایا تھا، اس پر اس نے یہ شعر کہا تھا تو آپ کی مثال شاہوں کی سی ہے کہ کبھی یہاں اور کبھی وہاں نزول فرماتے رہتے ہیں، چنانچہ ایک دہقاں کے یہاں نزول فرما کر اس کو شرف بخشا، اس لیے اگر میں کہوں تو حق بجانب ہوں ع

کلاہ گوشۂ دہقاں بآفتاب رسید

بلکہ پورے قطعہ ہی کو دہراتا ہوں ؎

زقدر و شوکت و سلطاں نگشت چیزے کم
یہ ز التفات بمہماں سرائے دہقانے

کلاہ گوشہ دہقاں بآفتاب رسید
کہ سایہ برسرش انداخت چوں تو سلطانے

مولانا عبدالماجد دریابادی کا ارشاد

عالمی ہی کے پس منظر میں ادیب بے بدل مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کی بے نظیر تحریر قابل ذکر ہے:

''ندوہ کے سے بڑے دارالعلوم کا انتظام بھی کرتے ہیں اور سارے ہندوستان (وبیرون) کا دورہ الگ، ابھی یہاں ہیں، ابھی وہاں، مقالات و تصنیفات ہیں کہ ساتھ ساتھ کھٹا کھٹ نکلتی چلی آرہی ہیں، زندگی قابل داد بھی، قابل، رشک بھی!''۔ اس سے قبل تحریر فرماتے ہیں: ''سن میں مجھ سے کہیں چھوٹے ہیں لیکن علم وفضل میں، سنجیدگی فکر میں، اخلاق وتقویٰ میں، عبادت و ریاضت میں، خشیت وطاعت میں میرے بڑوں میں شامل ہونے کے قابل ہیں''۔

رفیق محترم مولانا محمد منظور نعمانی کا ارشاد

عالمی ہی کی تائید مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ذیل کے اقتباس سے ہوتی ہے۔

مولانا فرماتے ہیں: ''اس دنیا میں ایسے لوگ بہت کم پیدا ہوئے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذہن ثاقب بھی ملا ہو اور دل روشن بھی، جو اس دوڑتی ہوئی اور کروٹیں بدلتی ہوئی دنیا کے حالات ومزاج اور اس کے نت نئے

تقاضوں سے پورے باخبر بھی ہوں اور دینی وایمانی حقائق کے بارے میں وارثین انبیاء کرام کی طرح صاحب یقین بھی۔

الغرض اس دنیا میں یہ جنس بہت ہی کم یاب ہے اور اللہ کے ایسے بندے جوان دونوں صفتوں کے جامع ہوں اس عاجز نے غالباً اتنے بھی نہیں دیکھے جتنی کی اپنے ایک ہاتھ میں انگلیاں ہیں لیکن جو دو چار دیکھے ہیں ان میں ایک ذات رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی بھی ہے، اللہ کی خاص توفیق و عنایت سے وہ صاحب نظر وفکر بھی ہیں اور صاحب قلب بھی، وہ اپنے علم و معلومات کے لحاظ سے جدید بھی ہیں اور ایمان ویقین اور رسوخ فی الدین اور طرز زندگی کے لحاظ سے قدیم بھی، ان کی ذات مدرسہ بھی ہے اور خانقاہ بھی''۔

حضرت کے وسعت فکروسلوک کا سراپا حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کی زبان سے

حضرت علیہ الرحمہ کے شیخ و مرشد حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری ؒ نے حضرت کے بارے میں جو کچھ فرمایا وہ اس سب کا خلاصہ ہے جو کچھ اب تک لکھا گیا، مولانا عبداللہ مغیثی صاحب جن کو ہمارے حضرت کی خلافت کا شرف حاصل ہے، اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

''غالباً ۱۴ رمضان المبارک کا واقعہ ہے ہم خدام حضرت کا بدن دبا رہے تھے، (حضرت مولانا رائے پوری) احقر کو یہ خدمت اکثر میسر ہوتی جس

کی وجہ یہ تھی کہ ہمارا پورا خاندان اعزہ واقارب حضرت سے والہانہ عاشقانہ مخلصانہ تعلق رکھتے تھے، ناچیز نے حضرت سے سوال کیا کہ حضرت! حضرت شیخ الحدیث کا تو پلنگ پر بیٹھنا ضعف ونقاہت، پیرانہ سالی اور ہم عصری کے سبب سمجھ میں آتا ہے مگر مولانا علی میاں صاحب کا پلنگ پر بیٹھنا سمجھ میں نہیں آتا، اس پر حضرت نے برجستہ ارشاد فرمایا:

تم نہیں جانتے، علی میاں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی حق گوئی، شاہ ولی اللہ کی فکر ونظر، سید احمد شہیدؒ کے جذبۂ جہاد کا عکس جمیل، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا کیرانویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا عملی نمونہ، سید سلیمان ندویؒ اور شبلی نعمانیؒ کے افکار وتاریخ کا عظیم مرقع، مولانا محمد الیاسؒ، شیخ الاسلام، شیخ الحدیثؒ کی دینی علمی دعاؤں کا نتیجہ ہیں، اوناداں یاد رکھ! وہ خواجہ معین الدین چشتیؒ سے لے کر تمام اکابرین حق کے ترجمان اور میری آنکھوں کا تارہ ہیں۔

حضرت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاندانی خصوصیات کے ساتھ تزکیہ واحسان کے جس بلند مرتبہ سے نوازا تھا، اس نے ان کو جو عام محبوبیت عطا فرمائی تھی، اس کا کچھ ذکر حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ، حضرت کے مرشد واستاذ مولانا احمد علی لاہوریؒ، حضرت رائے پوریؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی زبان مبارک سے منقول ہوا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ سے مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی ناظم دارالمصنفین ،اعظم گڑھ نے حضرت شیخ (مولانا محمد زکریا صاحبؒ) سے بیعت کی درخواست کی ،حضرت شیخ نے اپنے تفصیلی خط میں لکھا کہ آپ مولانا علی میاں سے بیعت ہوجائیں،اس خط کے جواب میں جناب شاہ صاحب نے جو حضرت سے عمر میں بہت بڑے تھے جو کچھ لکھا اس سے حضرت کے مرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے لکھا:

''علی میاں بلاشبہ اس کے اہل ہیں،مجھ کو ان سے محبت ہی نہیں بلکہ میرے دل میں ان کی بڑی وقعت ہے،ان کی مثالیں اس دور میں کم ہوں گی، میں نے تو بارہا ان سے کہا ہے ؎

ترا دیدہ و یوسف را شنیدہ
شنیدہ کے بود مانند دیدہ

لیکن میرے ان کے درمیان ایسے عزیزانہ تعلقات ہیں کہ میں ان سے فائدہ نہ اٹھا سکوں گا اور نہ وہ خود اس کے لیے آمادہ ہوں گے،اس لیے میری نگاہ آپ ہی پر پڑی ہے اور اس رہنمائی کا سہرا بھی انہیں کے سر ہے''۔
(تربیۃ السالکین:ص/ ۲۴۸)

صوفی عبدالرّب صاحب (ایم اے اناوی ٹیچر ٹریننگ کالج) بسلسلہ

ملازمت شاہ جہاں پور کے ''چمکنی'' نام محلّہ میں رہتے تھے، حضرات تکیہ اور حضرت مولانا سے ان کو غیر معمولی عقیدت تھی، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنے ایک خط میں تکیہ آنے کی دعوت دیتے ہوئے اقبال کا یہ مصرع لکھ دیا ع

میرے ویرانے میں بھی ہو جائے دم بھر چاندنی

اس شعر کے جواب میں انہوں نے اسی ردیف وقافیہ میں جو نظم لکھی، اس سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی مقام ومرتبہ اور قلب مزکی ومصفی منور ومجلی کی تصویر مجسم ہو کر نگاہوں میں پھرنے لگتی ہے، فرماتے ہیں ؎

چودھویں کا چاند ہو تم ہو اور جلوہ چاندنی
بوئے انفاس اللہ اللہ جیسے مہکے کامنی
ایک دنیا تم کو کہتی ہے محبت کا دھنی
آؤ مل بیٹھیں کوئی دم چھاؤں ہے کیسی گھنی
اپنی آنکھوں اپنی ہنسیوں اپنے میٹھے بول سے
مرنے والوں کو جلا دیتے ہو اللہ غنی
زندگی مجھ کو نہ دیتے لیکن اے جان جہاں
پاؤں ہی سینے پہ رکھ دیتے بوقت جانکنی

روکش فردوس وہ تاریک قعرِ چاہ ہے
یوسفستاں جس کو کردے بھائیوں کی رہزنی
تم تو اس گنجِ شہیداں کو نہ ویرانہ کہو
رشکِ صد معمور ہے ایسے خزانوں کا دھنی
اے مری دولت جہاں تم خود ہو بانفس نفیس
جو اسے ویرانہ کہہ دے میری اس کی دشمنی
سر کے بل آؤں گا میں اس مرکزِ انوار میں
میں سیاہی ہوں سراپا تم سراپا روشنی
لیکن اے رشکِ نجوم و غیرتِ شمس و قمر
تم جو آجاتے چمک اٹھتی ہماری چمکنی
روح تازہ پھونک دی اس خط نے میرے یک بیک
چھا چلی تھی چہرۂ صوفی پہ ورنہ مردنی
آہ کس کمبخت کے چکر میں صوفی پڑگیا
ٹھوکریں کھلوا رہی ہے مجھ کو دنیائے دنی

حضرت کے انتقال کے بعد جس طرح آن کی آن میں ساری دنیا میں خبر پہنچ گئی اور عالمی پیمانے پر رنج وغم کا نہ صرف اظہار کیا گیا بلکہ غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی تھی کہ حضرات احناف جن کے یہاں غائبانہ نماز جنازہ نہیں ہے، انہوں نے بھی نماز جنازہ پڑھی اور خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن عبد العزیز نے حرمین شریفین میں نماز جنازہ پڑھنے کا فرمان جاری کیا اور افسوس کا اظہار کیا، کیا عجب کہ حضرت کی روح سے اس وقت یہ صدا آرہی ہو ؎

وہ آئے ہیں پشیماں لاش پر اب
تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

(پرانے چراغ جلد:۲)

سلوک کی اصل روح

حضرت والا سلوک کے لیے یہ بہت ضروری سمجھتے تھے کہ اپنے اندر سے 'انا' نکل جائے۔ فرماتے ہیں: ''اپنی نااہلی احساس اور اپنے کو سب سے ادنیٰ اور کسی قابل نہ سمجھنا، اس راہ تصوف کی سب سے اونچی بات ہے، اور اسی میں سالک کی حفاظت ہے اور اس کی ترقی کا راز ہے۔

ایک موقع پر مولانا محمد احمد پرتاپگڑھیؒ نے حضرت کے بارے میں اس حقیقت کو اس طرح بیان فرمایا:

''محبّ اپنے محبوب کو چھپاتا ہے اور دل میں رکھتا ہے، علم وادب کے پردے میں اللہ تعالیٰ نے مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کو چھپا دیا ہے''۔

بیعت لینے کا طریقہ

حضرت بیعت کے وقت بیعت ہونے والے لوگوں سے جن باتوں کا عہد لیتے تھے وہ درج ذیل ہیں، یہ مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کے مضمون ''تعمیر حیات'' کے خاص نمبر سے ماخوذ ہیں، مولانا عبداللہ حسنیؒ کا مضمون اسی موضوع پر ہے اور اس میں حضرت والا کے بیعت و خلافت کا تفصیل سے تذکرہ آ گیا ہے۔

بیعت اس طرح لیتے تھے:

"بسم اللّٰہ الرحمٰن، لاإلہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ".

(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں)

یا اللہ! ہم توبہ کرتے ہیں کفر سے، شرک سے، بدعت سے، زنا سے، چوری سے، پرایہ مال ناحق کھانے سے، کسی پر بہتان لگانے سے، نماز چھوڑنے سے، جھوٹ بولنے سے اور سب گناہوں سے جو ہم نے اپنی ساری عمر میں کیے، چھوٹے ہوں یا بڑے اور اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ تیرے سب حکموں کو مانیں گے، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کریں گے، اے اللہ! تو ہماری توبہ قبول

فرما، ہمیں توفیق دے نیک عملوں، کی اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تابع داری کی۔ اس کے بعد ہاتھ چھوڑ دیتے اور فرماتے یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ہی اس دنیا کا خالق ہے اور وہی حاکم و منتظم ہے، اسی نے دنیا کو بنایا اور وہ ہی چلا رہا ہے، اس کے حکم کے بغیر نہ ایک پتہ ہل سکتا ہے، اور نہ کوئی ذرہ اڑ سکتا ہے، وہی روزی دیتا ہے، وہی شفا دیتا ہے، وہی عزت دیتا ہے، وہی ذلّت دیتا ہے۔

حضرت بیعت ہونے والوں کے حالات اور مشاغل وصلاحیت کی رعایت فرماتے تھے، بیعت ہونے والوں کے حالات میں بیعت کے بعد غیر معمولی تبدیلی ہو جاتی تھی، یہی وجہ تھی کہ حضرت سے ایسے حضرات بھی بیعت ہوتے تھے جو تصوف کے قائل نہیں تھے، حضرت والا کے مرشد حضرت رائے پوری نے از خود تکیہ کی مسجد سے نکلتے ہوئے بے سان وگمان حضرت سے فرمایا: ''میں آپ کو چاروں سلسلوں بالخصوص حضرت سید صاحب کے سلسلہ میں اجازت دیتا ہوں''۔

مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ نے تعمیر حیات ۲۵ ستمبر ۲۰۱۱ء میں اپنے مضمون میں تمام افراد خاندان کے سامنے جس نصیحت یا وصیت کا ذکر کیا ہے وہ نہ صرف تصوف ہے بلکہ دیندار خاندانوں میں زوال کے اسباب کی تاریخ کا خلاصہ بھی ہے جس کو بالخصوص دیندار گھرانے کے بزرگوں کو بہت غور سے پڑھنا چاہیے۔

حضرت مولانا کی خاص نصیحت بلکہ وصیت

ایک دفعہ حضرت مولاناؒ نے اپنے گھر کے بچوں کو جمع کیا اور افراد خاندان کو جمع کرنے کے بعد فرمایا:

دیکھو! میں نے تم لوگوں کو ایک خاص وجہ سے بلایا ہے، میں تاریخ کا طالب ہوں اور ہر جگہ سے تقریباً واقف ہوں، بڑے بڑے خاندان، اولیاء اللہ اور علماء کے خاندان ختم ہوگئے، ان کی اولاد میں بے دینی آگئی اور اولادیں بگڑ گئیں، دوسرے راستے پر پڑ گئیں، دیکھو! تین باتیں میں تم سے کہتا ہوں، اگر ان پر عمل کروگے تو ان شاء اللہ تمہارا خاندان چلتا رہے گا اور تمہارے یہاں اچھے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے پھر مولاناؒ نے تین باتیں فرمائیں، وہ تین باتیں حضرت مولاناؒ کے عمل میں تھیں اور اپنے گھر کے بچوں سے عمل کرواتے تھے، اس میں کسی قسم کی کوتاہی حضرت مولاناؒ نہیں ہونے دیتے تھے، ہم لوگوں کے ساتھ بھی مولاناؒ کا یہ معاملہ رہا۔

۱- پہلی بات حضرت مولاناؒ نے یہ فرمائی: ''کبھی ظالم نہ بننا، مظلوم بن جانا'' یہ بہت اہم بات ہے۔ ''ظالم نہ بننا مظلوم بن جانا'' تو ان شاء اللہ تم ترقی کروگے لیکن اگر ظالم بنوگے تو پھر تم ترقی نہیں کرسکتے، وہیں سے تمہارا راستہ بدل دیا جائے گا اور اللہ کی طرف سے پکڑ آئے گی۔

۲-دوسری بات حضرت مولاناؒ نے فرمائی کہ: ''حرام مال سے ہمیشہ بچتے رہنا، مشتبہ مال سے بھی بچنا'' یہ مشکل کام ہے لیکن اس سے بھی بچنے کی کوشش کرنا جب جا کر وہ بات پیدا ہوگی۔

۳-تیسری بات یہ فرمائی کہ: ''صلہ رحمی کرتے رہنا چاہیے'' تمہارے رشتہ دار تمہارے ساتھ کچھ بھی کریں، کیسے ہی برا سلوک کریں لیکن تم ان کے ساتھ اچھا سلوک ہمیشہ کرتے رہو اور یہ حضرت مولاناؒ کا معمول تھا، یہ صرف باتیں نہیں ہیں۔

حضرت مولاناؒ کے ایک رشتہ دار تھے، وہ ناراض ہو گئے تھے، حضرت مولاناؒ کے سامنے آ کر انہوں ے بہت برا بھلا کہا لیکن جب وہ جانے لگے تو حضرت مولاناؒ نے ایک لفافے میں سو روپے رکھے اور فرمایا: ''یہ قبول فرمالیجیے''۔

آخر میں حضرت کی مثالی شخصیت کے ترجمان اس شعر پر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ مے خانہ

☆☆☆☆☆

ضمیمہ

موضوع کی مناسبت سے افادۂ عام اور رجوع وانابت کی کیفیت پیدا کرنے کے لیے خیال آیا کہ مفکر اسلام حضرت مولانا رحمہ اللہ کے مایۂ ناز بڑے بھانجے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے محبوب خلیفہ، صاحب قلب و درد، مصنف ''سوانح یوسفی'' اور ''حیات خلیل'' مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کی پرسوز مناجات پیش کردی جائے، ملاحظہ کریں:

تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

اے خدا مالکِ آسمان و زمیں
صاحب لوح و کرسی و عرشِ بریں
ذکر تیرا مبارک حیات آفریں
جانفزا ، دل کشا ، دلکش و دلنشیں
پاک تیری صفت پاک تیرا ہے نام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

خالقِ دوجہاں رب کون و مکان
رحم کرتا ہے تو ہے بڑا مہرباں
جنّ و انس و ملک تیرے مِنّت کشاں
تیرے در پر ہی ملتی ہے سب کو اماں
تیری رحمت پہ قائم ہے عالَم تمام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

تیرے دَر کے سوا اور کوئی دَر نہیں
کوئی تجھ سے بڑا اور برتر نہیں
کوئی تیرا شریک اور ہمسر نہیں
جو جھکے اور کہیں وہ مرا سر نہیں
پاک سب سے ہے تو اے خدائے اَنام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

دونوں عالم میں روشن ترا نام ہو
دن بدن ہر طرف غالب اسلام ہو
ہم سے یارب ترے دین کا کام ہو
بہتر آغاز ہو نیک انجام ہو

ساری دنیا میں جاری ہو حق کا نظام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

لمحہ لمحہ ہر انسان کی خیر کر
ہر نفس ہر مسلمان کی خیر کر

دم بہ دم اہل ایمان کی خیر کر
قلب کی خیر کر جان کی خیر کر

عافیت سے رہیں سب خواص و عوام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

سارے محروم و مظلوم بے کس سقیم
بے سہارا غریب اور بیوہ یتیم

تیری رحمت کے محتاج اے کریم
ان غریبوں پہ فرما تو لطفِ عمیم

جو مسافر ہوں ان کا سفر کر تمام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

تو ہمارے عزیزوں کے دل شاد رکھ
ہر غم و فکر سے ان کو آزاد رکھ

اپنے رحم و کرم سے انہیں یاد رکھ
خیر و برکت کے ساتھ ان کو آباد رکھ
ہم محلّہ کو یارب نہ رکھ تشنہ کام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

رحم والد پہ کر ہر نفس ہر قدم
والدہ پر ہمیشہ کر اپنا کرم
جن پہ قرباں دل وجان کرتے ہیں ہم
جن کے قدموں تلے ملک و جاہ و حشم
ان کو آغوش رحمت میں لے صبح و شام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

ان بزرگوں نے بچپن میں پالا ہمیں
لمحہ لمحہ انہوں نے سنبھالا ہمیں
غم اٹھا کر دکھوں سے نکالا ہمیں
ہر قدم ہر نفس دیکھا بھالا ہمیں
ان بزرگوں پہ یارب کرم کر مدام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

آل و اولاد کو گھر کی زینت بنا
تو ہمارے لیے ان کو رحمت بنا
ٹھنڈک آنکھوں کی کر ، دل کی راحت بنا
عمر بھر باعث خیر و برکت بنا
تو بنا ہم کو مردان حق کا اِمام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

تو بچا ان کو فتنوں سے آفات سے
ہر برے کام سے ہر بری بات سے
ان کو محفوظ رکھ تو خرافات سے
ہوں نہ دوچار وہ سخت حالات سے
ہوں نہ گمراہ وہ اور نہ ہوں بے لگام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

اے خدا ہم کو مرد حق آگاہ کر
صاحبِ عقل و فہم و خود آگاہ کر
راہ دکھلا کے ہم کو نہ گمراہ کر
ہم سے یارب کسی کو نہ بے راہ کر

ہم سے لے زندگی بھر ہدایت کا کام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام
ہم کو تو ان میں کر توبہ کرتے ہیں جو
اور دل وجان سے تجھ پہ مرتے ہیں جو
ہم کو تو ان میں کر تجھ سے ڈرتے ہیں جو
تجھ کو شام و سحر یاد کرتے ہیں جو
ہم کریں پیروی رسولِ اَنام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام
ہم کو یارب زبانِ گہربار دے
ہم کو حسنِ یقیں ، حسنِ کردار دے
صدق و اخلاص دے درد و ایثار دے
چشمِ بینا دے اور قلب بیدار دے
دے خوشی و مسرّت ہمیں صبح و شام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام
نور ہے تو، ہمیں نورِ ایمان دے
نور ہے تو، ہمیں نور عرفان دے
نور ہے تو، ہمیں نور قرآن دے
نور ہے تو، ہمیں نور ہر آن دے

نور وہ جس سے روشن ہوں اعضا تمام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

حسن اخلاق دے ، حسن اعمال دے
ہم کو ہوش و خرد دے زَرومال دے

خیر و برکت ہمیں ہر مَہ و سال دے
صحت و عافیت ہم کو ہر حال دے

کر ہمیں نیک خو ، نیک دل،نیک نام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

شکر ہر دم کریں تیرے انعام پر
صبرسے کام لیں رنج و آلام پر

ہم جئیں تو جئیں دین اسلام پر
موت آئے تو آئے ترے نام پر

دین پر ہم کو ثابت قدم رکھ مدام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

عمر و ایمان میں بخش برکت ہمیں
دے شب و روز ذوقِ عبادت ہمیں

کر عطا نیک سے نیک عادت ہمیں
دے دعا مانگنے کی سعادت ہمیں
ہم کریں خدمت خلق کا اہتمام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

زُہد و تقویٰ کی نعمت ہمیں چاہیے
ہر نفس تیری الفت ہمیں چاہیے
نیک کاموں سے رغبت ہمیں چاہیے
دین و دنیا کی عزت ہمیں چاہیے
کر ہمیں صاحب عزم و عالی مقام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

کر سبکدوش تو قرض کے بار سے
فقر و افلاس کی ذلّت و عار سے
تو بچا ہر مصیبت سے آزار سے
ہر طرح کی فلاکت سے اِدبار سے
ہم مصیبت میں آئیں غریبوں کے کام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

ہم کو محفوظ رکھ بخل ونسیان سے
کفر و شرک ونفاق اور عِصیان سے
جھوٹ ، غیبت ، حسد اور بہتان سے
سود و رشوت ، غصَب اور طغیان سے
ہم بچیں کبر و سستی ریا سے مدام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

نفس و شیطان سے ہم کو محفوظ رکھ
حاسد انسان سے ہم کو محفوظ رکھ
مُوذی حیوان سے ہم کو محفوظ رکھ
دشمن جان سے ہم کو محفوظ رکھ
تیرے حفظ و اماں میں رہیں صبح وشام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

تو بچا ہم کو گم یابی مال سے
ضُعفِ پیری کے تکلیف دہ حال سے
فتنہ گر شرپسندوں کی ہر چال سے
تو بچا ہم کو تلبیسِ دجّال سے

سرکشوں کو الٰہی نہ کر بے لگام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

اے خدا ہر طرف ظلم کا راج ہے
جو ہے ظالم وہی صاحبِ تاج ہے

عدل پامال ہے رحم تاراج ہے
بے کسوں پر تشدد روا آج ہے

ظلم کرتے ہیں جو ان سے لے انتقام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

بوجھ ہم پر نہ رکھ جس کی طاقت نہ ہو
کام وہ تو نہ لے جس کی ہمّت نہ ہو

اس جہاں میں ہماری بری گت نہ ہو
غیر کے سامنے ہم کو ذلّت نہ ہو

ساری دنیا ہمارا کرے احترام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

ناگہاں کوئی آئے نہ ہم پر بلا
غرق ہم کو نہ کر آگ میں مت جلا

ہم نہ دب کر مریں زلزلہ تو نہ لا
سخت امراض میں کر نہ تو مبتلا

دِق ہو یا بَرص یا آکلہ یا جذام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

لب پہ کلمہ ہو جاری دمِ واپسیں
دل میں ہو تیرے عفو و کرم کا یقیں
وقت ہو جانکنی کا حسیں سے حسیں
ہاتفِ غیب ہو لب کشا ''آفریں''
دیں فرشتے ہمیں مغفرت کا پیام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

قبر میں روشنی ہو ترے نام سے
پیش منکر نکیر آئیں اکرام سے
تو بچا قبر میں ہم کو آلام سے
ہم قیامت تلک سوئیں آرام سے
بادِ رحمت کے جھونکے چلیں صبح وشام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

حشر میں کر نہ ہم پر عتاب اے خدا
تو نہ لے سخت ہم سے حساب اے خدا
تو نہ دے ہم کو کوئی عذاب اے خدا
ہم پہ کر فتح جنّت کا باب اے خدا

آگ دوزخ کی کر ہم پہ یارب حرام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام
ہر نفس آب کوثر کا ساغر ملے
لذتِ دید روئے منور ملے
ہم کو جنت میں قرب پیمبر ملے
تیرے دیدار کا لطف اکثر ملے
سلسبیل اور تسنیم کے بخش جام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام
اے خدا تیرے لطف و کرم پر نثار
تیری رحمت پہ ہر ہر قدم پر نثار
عرش و کرسی و لوح و قلم پر نثار
تیرے محبوب شاہِ امم پر نثار
اس مناجات کو کردے مقبول عام
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

☆☆☆☆☆